ضروری سمجھا جائے تو اس کے لیے ناگزیر ہے کہ ہر تنازعے یا مقدمے میں حَکَمَین کا تقرر لطورِ خاص کیا جائے اور اس میں اُن شرائط و حدود کو ملحوظ رکھا جائے جو کتاب و سنت اور فقہائے اُمت نے بیان فرمائی ہیں۔

یہ سطور لکھی جا چکی تھیں کہ ستمبر ۱۹۶۲ء کا "طلوعِ اسلام" نظر سے گزرا جس میں اس کمیٹی کی سفارشات کو بہت سراہا گیا ہے۔ صہ۵۹ پر ایک مضمون نگار لکھتے ہیں:

"معاہدۂ نکاح کے فسخ کرنے کا عورت کو اُسی طرح حق حاصل ہے جس طرح مرد کو۔ جس طرح اپنے نکاح کے متعلق فیصلہ کا حق مرد کو حاصل ہے، اس میں عدالت کی مداخلت کی ضرورت نہیں، اسی طرح اس معاہدہ کے فسخ کرنے کا فیصلہ عورت کو از خود کر لینا چاہیے، اس میں عدالت کی مداخلت کی ضرورت نہیں۔"

پھر صہ۶۱ پر "طلوعِ اسلام" والے لکھتے ہیں:

"ان سفارشات میں بہت سے قانونی نقائص کی نشاندہی کی گئی ہے اور عورت کی کفالت کے سلسلہ میں بھی اطمینان بخش سفارشات موجود ہیں۔ لیکن نکاح طلاق سے متعلق یہی اہم سفارش ہے جس کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے یعنی عورت کے لیے یکساں حقِ طلاق۔ اس کے لیے اور عورتوں کے عام حقوق کے تحفّظ کے سلسلے میں جو سفارشات کی گئی ہیں، ان کے لیے ہم اربابِ کمیٹی کو مستحقِ مبارک باد سمجھتے ہیں جی چاہتا ہے کہ اس میں تعددِ ازدواج کے متعلق بھی کوئی سفارش سامنے آجاتی۔ ممکن ہے اور اسی قسم کی دیگر سفارشات رپورٹ کے اگلے حصے میں درج ہوں۔"

اس تحسین و آفرین کے بعد یہ اندازہ کر لینا کچھ مشکل نہیں ہے کہ یہ رپورٹ کس طرزِ فکر اور نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتی ہے اور کن لوگوں کو خوش کر سکتی ہے۔

اب ہم دفعہ ۶۵ اور دفعات مابعد کو لیتے ہیں۔ دفعہ ۶۵، ۶۶ اور ۶۷ کی رو سے کمیٹی کے ارکان نے ایک مزید "بے رحمی" کے ازالے کی کوشش کی ہے جو ان کے خیال کے مطابق خاوند بیوی کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔ وہ بے رحمی یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو اس کے والدین اور دوسرے قریبی رشتہ داروں سے ملنے سے

روک کر اس کی زندگی کو اذیت ناک بنا دیتا ہے۔ کمیٹی نے اس ظلم کو دفع کرنے کی یہ صورت تجویز کی ہے کہ اس جرم کے ارتکاب پر شوہر کے خلاف فوجداری و تعزیری کارروائی کی جائے اور مزید برآں ایسے بے رحم اور شقی القلب خاوند کے خلاف عورت کو عدالت سے فسخِ نکاح کی ڈگری حاصل کرنے کا حق بھی دیا جائے۔ چنانچہ دفعہ ۶۷ میں کمیٹی نے یہ سفارش کی ہے کہ:

"جبکہ شوہر یا اس کے رشتہ دار دانستہ طور پر زوجہ کو اس کے والدین، بچوں، بھائیوں یا بہنوں سے ملنے سے روکیں، تو اسے ایسا جرم قرار دیا جائے جو تین ماہ کی مدت تک قید یا جرمانہ یا دونوں سزاؤں کا مستوجب ہو۔ مذکورہ بالا جرم کے لیے شوہر کی سزا یابی کی صورت میں زوجہ اسے انفساخِ ازدواج کے لیے عذر کے طور پر پیش کر سکے گی۔"

اصولاً ہمیں اس بات سے اتفاق اور اس کا اعتراف ہے کہ اسلام نے حسنِ معاشرت اور صلۂ رحمی کے جو آداب سکھائے ہیں ان میں یہ بھی شامل ہے کہ خاوند مناسب و معقول حدود کے اندر بیوی کو اجازت دے کہ وہ اپنے قریبی اعزّہ سے وقتاً فوقتاً مل سکے۔ لیکن اس حق کے استعمال و عدم استعمال کے لیے کوئی قانونی و تعزیری ضابطہ بنانے سے پہلے خاصی سوچ بچار کی ضرورت ہے۔ میاں بیوی کا رشتہ اور ان کے ازدواجی حقوق و واجبات کی نوعیت ایسی نہیں ہے کہ ان کے تعین و تصفیہ کے لیے دونوں کے پاس چند کتابچے قوانین و ضوابط کے ہر وقت موجود رہیں اور جہاں کوئی گھریلو غور طلب یا مختلف فیہ مسئلہ سامنے آئے دونوں ورق گردانی میں مصروف ہو جائیں اور اپنے جس حق کو وہ قانون کے بل پر قابلِ وصول سمجھیں اس کے لیے عدالت کا دروازہ جا کھٹکھٹائیں۔ اب آپ یہی بیوی اور اس کے رشتہ داروں کے میل ملاقات کا مسئلہ ہی لیجیے۔ اس کے کئی پہلو اور کئی صورتیں ہیں جن کا وقوع ممکن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بیوی یہ کہے کہ میں ہر روز یا ہر دوسرے یا تیسرے روز اپنے والدین یا بھائی یا بہن سے ملنا چاہتی ہوں یا میں یہ چاہتی ہوں کہ میرے یہ قرابت دار اسی طرح اتنے ہی وقفے سے مجھے آ کر ملیں۔ بیوی یہ مطالبہ بھی کر سکتی ہے کہ میں عزیزوں سے ملنے جاؤں تو میرا شوہر مجھے لے کر جائے۔ وہ یہ بھی کہہ سکتی ہے کہ شوہر میرے ساتھ نہ جائے، مجھے تنہا جانے دے۔ اور جب تک میں چاہوں مجھے رشتہ داروں کے ہاں رہنے دے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بیوی کے رشتہ دار کسی دوسرے شہر یا دوسرے ملک میں رہتے ہوں اور بیوی یہ کہے کہ مجھے گاڑی یا جہاز میں سوار کرا دو، میں منزل مقصود تک پہنچ جاؤں گی۔ اب کمیٹی کے ارکان خود غور فرمائیں کہ ان ساری یا بعض صورتوں میں اگر خاوند بیچارا کچھ پس و پیش یا لیت و لعل

سے کام لے تو کیا وہ اس کا مستحق ہے کہ تین ماہ کی قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں بھگتنے اور اس کے بعد سزا یافتہ ہونے کی بنا پر تنسیخِ نکاح کا مقدمہ اور اہلیہ کا داغِ مفارقت سہنے کے لیے بھی تیار ہو جائے؟

ہماری ان گزارشات کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بیوی اور اس کے رشتہ داروں کی ملاقات کا حق بالکل خاوند کے رحم و کرم پر موقوف ہے اور وہ جس طرح چاہے اس پر قدغن لگا سکتا ہے لیکن اسلام اور عقلِ عام کی رُو سے یہ صورتِ حال بھی پسندیدہ یا گوارا نہیں ہے کہ بیوی صاحبہ جب چاہیں خاوند کو بتا کر یا بتائے بغیر گھر سے نکل کھڑی ہوں خواہ مقصود عزیزوں سے ملاقات ہی ہو۔ غیر اسلامی معاشروں کے تہذیبی معیارات و روایات میں یہ بات بالکل معیوب نہیں ہے کہ عورت خواہ کنواری ہو یا شادی شدہ، تن تنہا یا غیر محرم افراد کے ساتھ جہاں چاہے چلی جائے۔ لیکن اسلام عورت کو اس طرح گھر سے نکل کھڑی ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عورت تین شبانہ روز کے سفر پر شوہر یا محرم مرد کے بغیر نہ نکلے خواہ یہ سفرِ حج ہی کیوں نہ ہو[1]۔ اور اس سے مراد فقہا نے اتنی مسافت لی ہے جو تین دن میں بآسانی پیدل طے ہو سکے۔ اب فرض کیجیے کہ میاں بیوی لاہور میں مقیم ہیں اور بیوی کے اعزہ پشاور یا کراچی میں ہیں تو بیوی کے حقِ ملاقات سے استفادہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس سفر کی آمد و رفت میں اس کا خاوند یا محرم ہمراہ ہو، ورنہ میاں بیوی دونوں گناہ گار ہوں گے۔ اسی طرح اگر بیوی کے بعض رشتہ داروں کی اخلاقی حالت اور خاندانی ماحول ایسا فاسد اور فتنہ انگیز ہو کہ بیوی بچوں کا وہاں جانا اور جا کر رہنا ان کے عادات و اطوار کے بگاڑنے کا باعث بنتا ہو تو خاوند اس امر میں حق بجانب ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو وہاں جانے سے روک دے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ شادی غمی کی تقریبات میں انہیں شمولیت سے نہ روکے۔ بیماری یا پریشانی میں عیادت اور خبر گیری کی اجازت دے یا سسرال کے عزیز اپنے ہاں آجائیں تو خاوند ان کی آمد و ملاقات کی راہ میں حائل نہ ہو۔ یہ تو روابط و تعلقات کے شرعی پہلو ہیں، ان کے علاوہ بعض انتظامی اور عملی پہلو بھی ہو سکتے ہیں جو قابلِ غور و لحاظ ہوں۔ مثلاً ایک پہلو یہی ہے کہ بیوی کے قریبی عزیز اگر کسی دور دراز مقام پر ہیں تو خاوند کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ

---

[1] بخاری شریف اور دیگر کتب احادیث میں ارشادِ نبوی وارد ہے کہ جو عورت اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ تین دن رات کا سفر بغیر محرم کے کرے۔ بخاری ہی کی دوسری حدیث میں تین کے بجائے ایک دن رات کے الفاظ بھی مروی ہیں۔

وہ آئے دن اپنے سارے کام چھوڑ کر محض ملاقات کے لیے اہلیہ کو ملوانے لے جائے، پھر واپس لائے، دو طرفہ اخراجاتِ سفر برداشت کرے ورنہ جیل کی ہوا کھائے۔

اس لیے کمیٹی کے اصحابِ دانش و بینش سے ہماری یہ گذارش ہے کہ بیوی کا اس کے رشتہ داروں سے حقِ ملاقات تو مسلم ہے مگر اس کے لیے یا تو تعزیری و فوجداری ضابطہ نہ بنائیں اور سردست اسے زوجین کے احساسِ مروّت و مودّت (GOOD SENSE) ہی پر چھوڑ دیں یا پھر قانونی ضابطہ بنانا ہی چاہیں تو ہمارے بیان کردہ مذکورہ بالا اُمور کو پیشِ نظر رکھ کر بنائیں تاکہ فریقین میں سے کسی کو بھی دِقّت و دشواری کا سامنا نہ ہو۔ اگر خاوند کے لیے سزا اور تین ماہ قید کی حد مقرر کرنا آپ کے نزدیک روا ہے تو بیوی کے لیے عزیزوں سے ملاقات کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔ فقہاء نے ملاقات سے روکنے کو تعزیری جرم تو نہیں بنایا تھا، لیکن انہوں نے بیوی کے حقِ ملاقات کی تصریح کرتے ہوئے اس کی مناسب و معروف طریق پر تحدید کی ہے، مثلاً انہوں نے فرمایا ہے کہ شوہر بیوی کو والدین اور بہن بھائیوں کے ہاں جانے سے اور انہیں اپنے ہاں آنے سے نہ روکے، مگر یہ آمد و رفت ایک دستور کے مطابق ہو۔ اگر سب ایک ہی بستی میں مقیم ہوں تو ہفتے میں ایک مرتبہ اور متفرق شہروں میں ہوں تو سال میں ایک یا دو مرتبہ ملاقات کی اجازت ہونی چاہیے۔

بہر کیف اگر حقوقِ نسواں کمیٹی کو حقِ ملاقات کے لیے قانون وضع کرنے پر اصرار ہی ہے تو شرعی و عقلی بنیاد پر اس کے لیے کچھ حدود و قیود کی تعیین ضروری ہوگی۔ اس کے بعد اگر ملاقات سے روکنے پر خاوند کو تین ماہ تک کی سزا بھی لازم سمجھی جائے تو ہماری درخواست یہ ہے کہ خاوند کو جیل بھیجنے کے بجائے اُسے اپنے ہی گھر میں "پابند مسکن" بنا کر رکھنے کی سزا دی جائے اور بیوی اور بعض رشتہ دار سے ملاقات میں خاوند حائل ہوا ہے انہیں اس بات کا نگران مقرر کیا جائے کہ خاوند گھر سے باہر قدم نہ رکھنے پائے، اگر وہ ایسا کرے تو مفرور قیدی یا حوالاتی کے مانند اس کی سزا میں اضافہ کر دیا جائے۔ ہمارے ناقص خیال کے مطابق اس طرح انصاف کے مقاصد و مقتضیات زیادہ بہتر طریق پر پورے ہو سکیں گے۔ خاوند کے لیے قید کے بجائے یا قید کے علاوہ جو جرمانہ تجویز کیا گیا ہے، ہمارا مشورہ یہ ہے کہ اُسے خزانہ میں داخل کرنے کے بجائے بیوی اور اس کے رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ کمیٹی اس امر پر بھی غور فرمائے کہ بیوی اگر الگ گھر بنانے کا مطالبہ کرے اور اس گھر میں شوہر کے والدین اور بھائی بہنوں کے آنے پر ہنگامہ برپا کر دے اور پورا گھر سر پہ اٹھالے

تو اس پر بھی کوئی تعزیر و تادیب قانوناً جائز و مناسب ہو گی یا نہیں؟

دفعہ ۶۵ کے بعد رپورٹ کی دفعہ ۶۸، ۶۹ میں طلاق کے بعد نابالغ اولاد کی حضانت و تحویل کے مسئلے کو لیا گیا ہے۔ رپورٹ کے بقول:

"نابالغ بچوں کی ولایت یا تحویل کے مقدمے میں ماں کے دعوے کو باطل کیا جا سکتا ہے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ غیر اخلاقی زندگی گزار رہی ہے یا بُرے کردار کی عورت ہے۔ بدقسمتی سے عورت کے خلاف یہ عذر ان مقدمات میں مسلسل پیش کیا جاتا ہے جبکہ کوئی متنازعہ بچوں کی تحویل کی نسبت (؟) ہو۔ صرف چند صورتوں میں بدچلنی یا بدکرداری کے الزامات ثابت ہوتے ہیں اور زیادہ تر یہ الزامات جھوٹے ثابت ہوتے ہیں اور عورت کی شہرت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے۔ ایسے مقدمات میں عدالت عموماً کوئی کارروائی نہیں کرتی گو اسلام میں عورت پر بدچلنی کی جھوٹی تہمت لگانے کی مذمت کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں سورۂ نور کی آیت ۴۔۲۳ کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے"۔

ان مقدمات میں عورتوں کے خلاف جھوٹے الزامات پر پابندی عائد کرنے کی غرض سے کمیٹی نے یہ سفارش کی ہے کہ:

"بچوں کی تحویل سے متعلق مقدمات میں اگر کسی عورت کی پاکدامنی یا کردار پر الزامات عائد کیے جائیں اور اگر ایسے الزامات جھوٹے ثابت ہوں تو عدالت کو یہ اختیار ہونا چاہیے کہ وہ متعلقہ فریق کو اظہار وجوہ کا موقع دینے کے بعد چھ ماہ کی مدت تک قید محض یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دے سکے"۔

اس بات سے انکار کی تو گنجائش ہی نہیں ہے کہ کسی مسلمان عورت یا مرد کے خلاف جھوٹی تہمتِ زنا (قذف) گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن عدالتوں میں ایسی تہمتیں عائد کرنے کی وجہ اور اس کے انسداد کے لیے جو سفارش کمیٹی نے کی ہے، ان دونوں سے ہمیں اتفاق نہیں ہے۔ فریقینِ مقدمہ ایک دوسرے کے خلاف ایسی گھناؤنی تہمتیں آسانی سے محض اس وجہ سے لگا دیتے ہیں کہ بدقسمتی سے ہمارے ہاں ابھی تک زنا اور قذف سے متعلق حدودِ شرعیہ کا نفاذ نہیں ہو سکا۔ اور جب تک زنا پر رجم یا سو کوڑے اور جھوٹی تہمتِ زنا پر اسّی کوڑے کی سزا سرزمین پاکستان میں نافذ و جاری نہ ہو گی اُس وقت تک اس صورتِ حال کی کلی اصلاح نہیں ہو سکے گی جو کمیٹی کے پیشِ نظر ہے۔ نفاذِ شریعت سے ہماری اس محرومی اور بدنصیبی کا دَور جب تک ختم نہیں ہوتا، اس وقت

تک ہمارے نزدیک زیر بحث مقدمات میں طلاق دہندہ اور مطلقہ ایک دوسرے کے خلاف جو الزام تراشی کرتے ہیں اس کی روک تھام کے لیے سردست یہی کافی ہے کہ فریقین پر قانونی بندش لگا دی جائے کہ وہ بچوں کی حضانت و تحویل کے مقدمات میں ایک دوسرے پر بداخلاقی و بدکرداری کے ایسے الزامات نہ لگائیں جن کا صراحتاً یا کنایۃً تعلق فریق ثانی کی عصمت و عفت سے ہو، ورنہ ایسے استغاثے کو ناقابلِ سماعت قرار دے دیا جائے۔ ہمارے نزدیک یہ صورت بے حد افسوسناک بلکہ شرمناک ہے کہ عدالت میں زنا کا الزام سچا ثابت ہو یا جھوٹا دونوں صورتوں میں اس پر قرآنی و شرعی حد کو چھوڑ کر کوئی دوسری سزا دی جائے یا مجرم کو کوئی سزا ہی نہ دی جائے۔ زنا بالرضا تو ہمارے ہاں کوئی جرم ہی متصور نہیں ہوتا۔ حال ہی میں ایک کالج کے اساتذہ جو الزامِ زنا میں ماخوذ ہیں، ان میں سے بعض کی طرف سے یہی صفائی پیش کی گئی ہے کہ اگر فریقین نے باہمی رضامندی سے اس کا ارتکاب کیا ہے تو قانون کی نگاہ میں یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ شریعت کے ساتھ ایسا سنگین استہزا کم از کم حدودِ عدالت میں نہیں ہونا چاہیے۔ (باقی)

(بقیہ رسائل و مسائل)

بالعموم علمائے سلف کے متعدد اقوال میں سے کسی ایک قول ہی کو اختیار کرتے ہیں۔ ان مسائل میں تفرد و شذوذ اگرچہ ممنوع و حرام نہیں، تاہم اس کے حق میں بڑے مضبوط اور وزنی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن مولانا کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مطالعہ اور غور و فکر کے بعد مختصراً اپنی تحقیق بیان کر دیتے ہیں۔ یہاں تو حضرت قتادہ کا حوالہ دے دیا ہے لیکن اکثر مقامات پر وہ یہ ذکر نہیں کرتے کہ اسلاف میں سے کسی کس نے وہی بات کہی ہے اور یہ عدمِ ذکر اس اعتماد پر ہوتا ہے کہ اہل علم اصل مراجع و مآخذ تک دسترس رکھتے ہیں اور وہ خود ہی مسائل کی چھان بین کر لیں گے۔ لیکن سہل انگاری یا معاصرانہ چشمک سدِ راہ بن جاتی ہے اور بعض لوگ خواہ مخواہ بحث و نزاع میں منہمک ہو کر اپنا اور دوسروں کا وقت غیر ضروری رد و کد میں کھپاتے رہتے ہیں۔